بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پردے کے اسلامی اصولوں کی بنیاد پر غیر مخلوط معاشرت اور جداگانہ تعلیمی انتظام برائے خواتین کا تخیل مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور اُن کے تحریکی رفیقوں نے مسلسل پیش کیا ہے۔ ایک ہی مقصد کے لیے جہاں ایک طرف خواتین کو انفرادی طور پر قانونِ حجاب کی پابندی کی دعوت دی جاتی تھی، وہاں دوسری طرف نگاہ اجتماعی ادارات پر بھی تھی، جو قوم میں بے پردہ یا باپردہ معاشرت پھیلانے کا ذریعہ بن سکتے تھے — مخلوط تعلیم کا ریکارڈ بے پردگی کو فروغ دینے میں بہت مؤثر رہا ہے۔ پھر اس کے ساتھ مخلوط تفریحی تقاریب، مخلوط ثقافتی مجالس، فنونِ لطیفہ کے مخلوط کلچرل شو، ان سارے عوامل نے مل جل کر ایک طوفان ہمارے معاشرے میں اُٹھا دیا۔

اصلاح کا عمل پورے کا پورا یکبارگی بعض دائروں میں چل جاتا ہے مگر بعض بگاڑ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے خلاف تدریجاً ایک ایک قدم آگے بڑھنا ہوتا ہے۔ اسی نقطۂ نظر سے ہمارے حلقوں میں عرصہ سے "خواتین یونیورسٹی" کے قیام کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔

مارشل لا کی موجودہ حکومت نمودار ہوئی تو اُس کی سربراہی ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں تھی جس سے ہمارے علماء اور عوام کو کسی قدر یہ اُمید ہونے لگی کہ شاید اُن اسلامی تقاضوں کا پورا ہونا اب ممکن ہے، جن کے خلاف کئی سابق حکمران برسرِ مخالفت رہے ہیں۔ اُمید کی اسی فضاء میں موجودہ حکومت کو مختلف اطراف سے کچھ اچھے مشورے دیے جاتے رہے۔

خود مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بھی یہ مشورہ دیا گیا کہ مخلوط تعلیم کا سلسلہ ختم کرنے کے لیے بڑے بڑے شہروں میں جامعاتِ خواتین کا قیام عمل میں لایا جائے اور قدمِ اوّل کے طور

پر لاہور اور کراچی میں کم سے کم دو یونیورسٹیاں ایسی قائم کردی جائیں جو خواتین کے لیے خاص ہوں۔ اس سلسلے میں متفرق طور پر باتیں ہوتی رہیں، مطالبے بھی ہوتے رہے، مضامین بھی لکھے گئے، بلکہ ایک سے زیادہ بار اوپر سے صاف لفظوں میں وعدہ بھی ہوا کہ خواتین یونیورسٹی جلد قائم کی جارہی ہے، مگر سب کچھ ہو ہوا کر خاموشی چھا گئی۔

یہ واقعہ دو سال سے پہلے کا ہے کہ ایک دن اچانک مجھے صدر تنظیم اساتذہ پاکستان جناب حافظ وحید اللہ کا ٹیلی فون سکھر سے موصول ہوا کہ اے۔کے۔ بروہی صاحب خواتین یونیورسٹی کا منصوبہ مانگ رہے ہیں۔ اور یہ کہہ رہے ہیں کہ چونکہ اس کام کو جلد کرنے کا فیصلہ ہوگیا ہے، اس لیے دو تین روز کے اندر منصوبہ کار کی دستاویز (DOCUMENT) مجھے مل جانی چاہیے۔ میں اپنے دفتر سے اُٹھا اور سیدھا مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی خدمت میں پہنچا اور ٹیلی فون کی اطلاع دی۔ انہوں نے بعد میں میاں طفیل محمد صاحب کو بھی بلوالیا (شاید کوئی اور صاحب بھی تھے) اور باقاعدہ میٹنگ میں ہدایات دیں کہ پورا منصوبہ کار تیار کر دیا جائے اور چونکہ کہا جاتا ہے کہ موزوں خواتین اساتذہ نہیں ملیں گی، لہٰذا وی سی اور رجسٹرار سے لے کر تمام شعبہ ہائے علوم (FACULTIES) تک پورے ٹیچنگ اسٹاف کی فہرست مرتب کر دی جائے۔ بلکہ مولانا مغفور نے باصرار یہ فرمایا تھا کہ خواتین کی جداگانہ یونیورسٹیوں کا پورا عملہ وی سی سے لے کر چپڑاسی تک خواتین ہی سے لیا جانا چاہیے اور کوئی مرد اس نظام میں دخیل نہ ہو۔ مولانا کی ہدایات کے تحت جلد جلد کچھ کام میاں صاحب کے ذریعے ہوا، کچھ دلچسپی پروفیسر خورشید احمد صاحب نے لی، مولانا کے حکم (بذریعہ ٹیلی فون) کے تحت کراچی کے بعض احباب نے مجلس تنظیم اساتذہ اور ادارہ معارف اسلامی کراچی کی مدد سے خواتین پروفیسرز اور لیکچررز کی فہرستیں تیار کیں۔ یہاں تک کہ ایک ہفتے میں خواتین یونیورسٹی کا یہ بھاری بھرکم منصوبہ تیار ہو کر اے۔کے بروہی صاحب کی خدمت میں روانہ کر دیا گیا۔ ان کا فرمانا یہ تھا کہ میں اسے خود پڑھوں گا اور صدر صاحب کی خدمت میں نفاذ کے لیے

لہ واضح رہے کہ پردے کے بارے میں ہمارے حلقے کے نقطۂ نظر سے ہمارے یہ بزرگ فاضل قانون دان ذرا مختلف رائے رکھتے ہیں (جس کا انہیں حق حاصل ہے)۔

براہِ راست پیش کر دوں گا تاکہ کوئی درمیانی قوت اثر انداز نہ ہو۔ اب گویا انتظار شروع ہو گیا کہ خواتین یونیورسٹی کا اعلان دو ہی چار دن میں ہونے والا ہے۔

اس منصوبے کی ایک آدھ نقل محفوظ ہے (گو میرے پاس نہیں) اور فیکلٹیز کے متعلق لسٹ موجود ہے، نیز مقاصد اور قواعد و ضوابط کا خاکہ بھی ہے۔

مجوزہ یونیورسٹی کا نام "خدیجۃ الکبریٰ یونیورسٹی فار ویمن" تجویز کیا گیا تھا یا جامعۂ خدیجۃ الکبریٰ برائے خواتین جیسا کہ نام سے ظاہر ہے —— اور نام کو منصوبے میں بڑی اہمیت حاصل تھی —— منصوبے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ خواتین محض نصابی معلومات ہی نہ جمع کریں بلکہ اسلامی ذہن و کردار سے آراستہ ہوں تاکہ وہ مجوزہ یونیورسٹی سے تعلیم پاکر نکلیں تو ایک طرف تو وہ گھروں میں اسلامی معاشرت کو نشوونما دے سکیں، دوسرے اگر انہیں اسلامی نظام کے تحت کوئی اجتماعی خدمت انجام دینی ہو تو وہ پردے کے اہتمام کے ساتھ حسن و خوبی سے انجام دے سکیں۔

شعبہ ہائے علوم میں سے ایک تو وہ شعبے رکھے گئے تھے، جن سے استفادہ علی الخصوص خواتین کے لیے ضروری ہے۔ مثلاً گھر کا انتظام[1] اور تربیتِ اطفال۔

---

[1] مروجہ نام نچلی کلاسوں میں خانہ داری اور بالائی سطح پر ہوم اکنامکس ہے۔ مگر اسلامی نقطۂ نظر سے خانہ داری یا گھر کے معاملات میں سب سے اہم شعبہ افرادِ خانہ سے ربط و تعلق کا شعبہ ہے۔ یہ بات کہ ایک خاتون یا طالبہ گھر کی فضا کو اسلامی رنگ میں رنگنے اور اسے غیر اسلامی اثرات سے نکالنے کے لیے بزرگوں اور ہم چشموں اور خوردوں کے ساتھ کس طرح ربط و ضبط رکھے اور ان تک اصلاح و تعمیر کا پیغام کیسے پہنچائے؟ یا وہ اخلاقی قدروں اور معاشی مفاد کی کشمکش یا اسلامی اصول و مقاصد کے خلاف مغربی تہذیب اور رسوم و رواج کے تصادم کی صورت میں اپنا پارٹ کیا اور کس طرح ادا کرے، گھر میں درسِ قرآن و حدیث یا مطالعۂ سیرت و تاریخ کی راہیں کیسے نکالے، گھر میں اجتماعات کس طرح منعقد کرے، تقاریب کی صحیح روح کو کارفرما کرنے کے لیے کیا صورت اختیار کرے، رشتہ دار اور محلے دار خواتین میں (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ایک وہ شعبے ہیں جو توسیعِ تعلیم اور فروغِ دعوت کے لیے ضروری ہیں --- مثلاً علم التعلیم[1]، نفسیات،

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

اثرات کس طرح پھیلاتے۔ یہ مباحث موجودہ نصابی کتابوں میں نہیں ملیں گے۔

[2] تربیت اطفال کے موضوع پر بھی جو نصابی اور غیر نصابی لٹریچر ملتا ہے، وہ اس سے تو بحث کرتا ہے کہ حفظانِ صحت کے کن اصولوں کا خیال رکھنا چاہیے اور عمر کے کس مرحلے میں کیا غذا کس مقدار میں دینی چاہیے اور بچوں کی غذاؤں کی تیاری کیسے کی جائے، نیز اُن کے لباس، ان کے سونے جاگنے، ان کی صفائی ستھرائی، اُن کے کھیل تفریح کے بارے میں کیا اہتمام کرنا چاہیے، لیکن اُن کو نورِ ایمان سے کیسے آراستہ کیا جائے۔ اور اُن میں اسلامی اخلاق کی بنیادیں کس طرح رکھی جائیں۔ اس بارے میں دورِ جدید کی ساری دانش گنگ ہے۔ لے دے کے تربیت اطفال کے لیے دورِ جدید کی نفسیات کے کچھ اطلاقی اشارات فراہم کیے جاتے ہیں (جو بالعموم غیر اسلامی فلسفۂ نفسیات کا عکس ہونے کی وجہ سے اُلٹے نتائج دیتے ہیں) یا پھر شائستگی کے آداب و شعائر بہ شکلِ مروجہ (نہ کہ بہ شکل اسلامی) بتائے جاتے ہیں کہ کس طرح یہ چیزیں بچوں کو عمر کے مختلف مراحل میں سکھائی جانی چاہئیں۔ اسلام کا نظامِ تربیتِ اطفال جو کان میں کہی جانے والی اذان سے شروع ہو کر بچے کو مسجد کی صفِ نماز میں لا کھڑا کرتا ہے۔ اس کا شعور جدید مغربی لٹریچر اور اس کے نقالوں کے ہاں کہاں ملے گا۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

[1] علم التعلیم کی ساخت بھی بدقسمتی سے ہمارے مقاصد اور ہماری ضروریات کے مطابق نہیں ہے۔ ہمیں ایک ایسے علم التعلیم کی ضرورت ہے جس کا مقصود و منشا ہی مسلم ذہن و کردار کے عالم اور معلم اور ڈاکٹر اور سائنس دان اور ماہرینِ سیاست و معیشت پیدا کرنا ہو۔ اگر علم التعلیم اور تعلیمی تکنیک اور اس کو استعمال کرنے والا معلم اپنے زیرِ تعلیم نوجوانوں کے طرزِ فکر اور پیمانہائے خیر و شر اور معیاراتِ خوب و ناخوب کو اسلامی نہیں بنا سکتا ہے تو یہ سارا کھیل ایک نئی شان کی جاہلیت کا کھیل ہے۔ ایسا ہی علم التعلیم اگر ہم نے خواتین کو ان کی یونیورسٹی میں بہم پہنچا دیا تو کونسا کمال ہوا۔

شہریت اور عمرانیات، علم الاخلاق وغیرہ[1]

ایک وہ شعبے جو دینی لحاظ سے اشد اہمیت رکھتے ہیں، مثلاً عام اسلامیات کے علاوہ علم تفسیر علم حدیث، علم فقہ، علم تاریخ وغیرہ۔ اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ طالبات ہی سے مصنف اور صحافی و ادیب بھی اٹھیں اور درس دینے والی اور تبلیغ کرنے والی خواتین بھی۔

بعد ازاں وہ شعبے جن سے خاص خاص طالبات کو اپنی امتیازی ذہنی ساخت یا ذوق و شوق کی وجہ سے خاص قابلیت حاصل کرنی ہو، مثلاً مابعد الطبیعاتی فلسفہ، وغیرہ۔

ایک وہ شعبے جن سے فائدہ اٹھا کر ایک پردہ دارانہ معاشرے ہی خواتین ایسی ذمہ داریاں انجام دے سکتی ہیں، جن کے لیے نسائی حلقوں میں مردوں کی خدمات پسندیدہ نہیں ہیں، مثلاً میڈیکل ڈاکٹر، فزیشن، سرجن، آئی سپیشلسٹ یا ڈنٹل سرجن وغیرہ۔

یہ حیثیت مجموعی علوم پر کوئی سخت قدغن بھی نہیں تھی۔ فرق صرف زور دینے کا تھا کہ اہمیت کن چیزوں کو حاصل ہوگی اور زیادہ کام کن دائروں میں کرنا ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے اس امر پر زور دیا تھا کہ خواتین یونیورسٹی کی اساتذہ و طالبات تعلیم گاہ میں آنے جانے پردے کا اہتمام رکھیں گی۔

دوسری بات جس پر انہوں نے زور دیا تھا یہ تھی کہ جہاں کہیں ایسی یونیورسٹی کھل جائے، وہاں ایک مختصر مقررہ مدت کے مجبورانہ استثنیٰ کے بعد کسی طالبہ کا داخلہ لڑکوں کے کالجوں یا مخلوط تعلیمی ادارں

---

[1] ان سب علوم پر مغرب کا تیار کردہ لٹریچر اور نصابی کتب کا انبار جو ہر طرف پھیلا ہوا ہے، اس میں ہر علم کی بنیادیں ملحدانہ مادہ پرستی پر رکھی گئی ہیں۔ بنیاد کی اس ٹیڑھ کی وجہ سے ان علوم کی ساری تعمیر غلط ہوتی ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ جب تک ہم خدا پرستانہ بنیادوں پر نئی نصابی کتب تیار نہ کرلیں، باہر کے جو علوم بھی طلبہ کے سامنے لائیں اُن پر مسلم نقطۂ نگاہ سے بھرپور تنقید ہونی چاہیے اور اُن کے ہر غلط دعوے کی شدید طریق سے تردید کی جانی چاہیے۔ اور یہ تنقید نصابی کتابوں میں شامل ہونی چاہیے۔

ہیں ممنوع ہو جائے۔

تیسری بات جس پر مولانا نے زور دیا تھا یہ تھی کہ خواتین کے لیے جداگانہ یونیورسٹی کو پہلے قدم کی حیثیت دی جائے اور اس کے آغاز کے ساتھ ہی مخلوط مجالس اور مخلوط ثقافتی سرگرمیوں کا سلسلہ یک قلم ترک کر دیا جائے۔

یعنی ایک طرف پردے کا فروغ اور دوسری طرف مخلوط تعلیم کے ساتھ مخلوط معاشرت کے خاتمے کی طرف مؤثر اقدامات اس منصوبے کی رُوحِ رواں تھے[1]۔

اور اس منصوبے میں یونیورسٹی کو حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سے اس لیے موسوم کیا گیا تھا کہ طالبات اور لیڈی لیکچررز اور دوسری خواتین بھی حضرتِ موصوفہ کو اپنے لیے معیار بنائیں۔ ویسے خیالات اور ویسے اخلاق اور ویسے کردار سے اپنے آپ کو آراستہ کریں۔

یہ تھے اس منصوبے کے خدوخال جو تقریباً ۲½ سال قبل پیش کیا گیا تھا۔

اب دیکھیے کہ اس کا حشر کیا ہوا!

بہت ہی بالائی سطح پر جن دماغوں نے اس پر غور و خوض کیا، ان میں بعض یقیناً ایسے ہوں گے جو سیکولرازم کے مسحور ہوں کتنی مشکل سے یہ منصوبہ اُن کے اندر اُتر سکتا تھا۔ پھر وہاں سے یہ بیوروکریسی کے ہاتھوں میں پہنچا ہو گا۔ اس نے اُسے تاخیر کے خراد پر چڑھا دیا ہو گا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ چھل چھلا کر مناسب شکل اختیار کرے گا[2]۔

[1] کیونکہ اسلام نسائیت کے وقار کا پورا پورا تحفظ چاہتا ہے اور وہ اُسے نہ گندی نگاہوں کے لیے ہوس کا کھلونا بنانے کی اجازت دیتا ہے، نہ اس کے حُسن و جمال کو میکدوں اور نائٹ کلبوں، رقص گاہوں اور طوائف خانوں کی منڈی کا بکاؤ مال بنانا گوارا کرتا ہے اور نہ ہی وہ کسی کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ اس کے چہرے اور بدن کو اشتہاروں اور دکانوں اور ہوٹلوں میں بطور سامانِ کشش کے استعمال کرے۔

[2] میری ذاتی معلومات کے مطابق تین مختلف منصوبے اوپر پہنچے تھے جن میں سے (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

چنانچہ اب وہ مناسب شکل اختیار کرکے سامنے آگیا ہے۔ عورتوں کے خاص مضامین اس میں سے خارج، دینی مضامین خارج۔ باقی جو مضامین نمایاں ہیں وہ اونچی قسم کی تکنیکی مہارتیں ہیں جن کی ضرورت زیادہ تر صنعتی معاشروں میں ہے۔ ان مہارتوں کو حاصل کرکے ہماری خواتین فوڈ پراڈکشن، الیکٹریکل انجینئرنگ، ریڈیو ٹیلی ویژن انجینئرنگ یا ایسے ہی دیگر کارخانوں میں ملازمتیں قبول کرکے مردوں کے "دوش بدوش" ترقی کی مہم سر کرسکتی ہیں، نیز وہ مغربی ممالک اور مشرقِ وسطیٰ میں بھی اپنی خدمات اونچے داموں پیش کرسکتی ہیں[1]

اس کے معنی یہ ہیں کہ خواتین یونیورسٹی کا جو منصوبہ سامنے آیا ہے وہ مخلوط معاشرے کے فتنے کو اور توسیع دینے والا ہے۔ اسلامی ذہنیت کے نشوونما یا پردے کے فروغ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس قسم کی خواتین یونیورسٹی میں تو جینز پہننے والی یا کھلے بازووں اور عریاں ٹانگوں والی طالبات بھی بصد شوق داخلہ لیں گی۔ کیونکہ اب یہ سوال تو ہوگا ہی نہیں کہ مرد طالب علم ساتھ ہوتے ہیں۔ جامعہ برائے خواتین کے تازہ سرکاری منصوبے میں تو یہی طے نہیں ہے کہ ہمیں کس قسم کی خاتون اسلامی نظامِ حیات میں درکار ہے۔ نقشہ لیا گیا ہے ٹھیک مادہ پرست مغربی معاشروں کی سی لیکنا جسٹ خواتین کا، اور دوسری طرف مقصود ہے اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرے کا احیا اور اسلامی قانون اور اسلامی اخلاق کا فروغ: فیا للعجب!

(باقی بر صفحہ ۴۸)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

ایک گلبرگ لاہور کے ہوم سائنس کالج کی پرنسپل صاحبہ کا منصوبہ بھی تھا۔ خیال یہ کیا جاتا ہے کہ موجودہ سرکاری نقشہ کار اسی منصوبے پر مبنی ہے۔ کیونکہ موصوفہ کا ذہن ہمارے سیکولر مزاج افسران کے حسبِ پسند کام کرنے والا تھا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] یہ تو غالباً سوچا ہی نہ گیا ہوگا کہ جس قوم میں محنت کش مردوں کے علاوہ ہر سال اعلیٰ تعلیم سے فارغ ہونے والے بے شمار نوجوانوں کے روزگار کا مسئلہ ٹیڑھا مسئلہ ہے، اس میں اگر خواتین کو اعلیٰ ٹیکنالوجیکل خدمات کارخانوں کی ماہرانہ مزدوری کے لیے تیار کرلیا گیا تو مردوں کی بے روزگاری کا پھیلاؤ کیا رنگ لائے گا؟